لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

ایک تاریخی دستاویز

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ——— بنام ——— وزیر اعظم اندرا گاندھی

(ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ اور اس دوران کئے جانے والے ظلم و زیادتی کے خطرناک نتائج سے حکمراں طبقہ کو خبردار کرنے کا فریضہ انجام دینے میں علماء نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور کسی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ ناساز گار حالات، تملق و چاپلوسی کی فضا اور خوف و ہراس کے ماحول میں کلمۂ حق پوری جرأت سے کہنے کی ایک مثال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) کی وزیر اعظم سے ملاقات و گفتگو اور درج ذیل خط ہے جو انہوں نے ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء کو مسز اندرا گاندھی کو براہ راست دیا تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وطن رائے بریلی ہے جو وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کا حلقۂ انتخاب ہے۔ حضرت مولانا اپنے علمی اور دینی ذوق و مزاج کی بنا پر ملک کے حکمراں طبقہ کی ملاقات سے ہمیشہ گریزاں رہتے ہیں۔ وزیر اعظم صاحبہ سے بھی ان کی خواہش اور کوشش کے باوجود مولانا نے ملنے میں کبھی گرمجوشی نہیں دکھائی، لیکن ایمرجنسی کے زمانہ میں نظم و ضبط اور خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے جو ظلم و زیادتی ہو رہی تھی اس پر ایک بااصول و باضمیر اور ملک و قوم کے خیرخواہ شہری کی حیثیت سے مولانا نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ وزیر اعظم صاحبہ سے براہ راست ملاقات کرکے ان زیادتیوں اور ہولناک صورت حال کی طرف توجہ دلائیں۔

بروز بدھ ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء کو وزیر اعظم اندرا گاندھی سے دہلی میں ملاقات کرکے مولانا نے بے لاگ طریقہ سے ان زیادتیوں کی نشاندہی فرمائی جو انتظامیہ نے عوام پر کی ہیں۔

مولانا ندوی نے وزیر اعظم سے صورت حال کے بگاڑ پر یہ تک فرمایا کہ "لوگ موجودہ حکمراں طبقہ اور انتظامیہ سے اس قدر بیزار ہو چکے ہیں کہ وہ انگریزوں کے دور حکومت اور غلامی کے زمانہ کی آزادی اور عافیت کو یاد کرتے ہیں"۔ مولانا ندوی نے بے گناہ گرفتار لوگوں پر لگائے ہوئے بے سروپا الزامات کی بھی تردید کی اور گرفتار شدگان اور ان کے خاندانوں کی کسمپرسی اور مصائب و مشکلات کا بھی ذکر کیا ——— مولانا ندوی نے اپنی گفتگو میں مسز اندرا گاندھی سے یہ بھی فرمایا کہ "آپ کا تعلق موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو سے ہے، آپ کے خاندان نے جیل اور قربانیوں کے راستے سے اور عوام کی خدمت کرکے اور ان کا دل جیت کر قیادت کا مقام حاصل کیا تھا، آپ کے خاندانی روایات کے یہ بالکل شایان شان نہیں کہ آپ اس طریقہ کار کو اپنائیں جو فوجی بیرک یا ڈرائنگ روم سے کرسیٔ اقتدار تک پہونچنے والے ڈکٹیٹر کا ہوتا ہے"۔ مولانا نے اس ملاقات میں وزیر اعظم کو اس سے بھی متنبہ کیا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے خلاف کوئی ایسی سازش نہ ہو رہی ہو جس سے آپ کا وقار اور آپ کی جماعت کی مقبولیت ملک میں ختم ہو جائے"۔ مولانا ندوی چونکہ بیرون ہند کا سفر کرتے ہیں خاص طور پر مشرق وسطیٰ کے عرب و اسلامی ممالک پر ان کا بہت اثر ہے لہٰذا بیرون ملک بھی ان زیادتیوں سے ہندوستان کی بدنامی کا انہوں نے ذکر کیا، وزیر اعظم صاحبہ نے مولانا کی حق گوئی کو پوری توجہ سے سنا لیکن اس کے بعد بھی بدستور ناگفتہ بہ حالات سے اندازہ ہوا کہ مسز اندرا گاندھی کو اپنے طرز عمل کی صحت پر اصرار تھا یا ان کے ارد گرد ایسے خوشامدی اور نادان دوست تھے جنہوں نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا۔

اس ملاقات اور زبانی گفتگو کے بعد جو تحریر مولانا نے اندرا گاندھی کو دی تھی وہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس خط میں بحیثیت وزیر اعظم جتنا لحاظ ضروری تھا وہ برتا گیا ہے، اس کو پڑھ کر قارئین کا بھی تأثر ہوگا کہ ——

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

(اسحٰق جلیس ندوی)

رائے بریلی

محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ وزیر اعظم ہند

بہت عرصے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جذبات و خیالات پیش کرنا چاہتا تھا۔ گذشتہ فروری میں میں نے اس کی مخلصانہ کوشش کی تھی کہ مجھے آپ سے دہلی میں یا جہاں آپ پسند کریں تھوڑی دیر ملاقات کا موقع مل جائے اس کے لئے ایک رجسٹرڈ خط بھی آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا میں اس کو ملک کے لئے مفید اور اہم ترین اخلاقی فرض سمجھتا تھا لیکن اس کا مجھے کوئی جواب نہ ملا، اس وقت کے مقابلہ میں حالات اور زیادہ سنگین اور تشویشناک ہوگئے، اس لئے میں نے اس کے لئے دوبارہ کوشش کی، میں شکر گذار ہوں کہ آپ نے از راہ عنایت مجھے اس کا موقع مرحمت فرمایا، میں نے مناسب سمجھا کہ

(بقیہ صفحہ پر)

Regd No. LW/NP 56
Phone 22743 / 23747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

مجمع بحار الانوار
(احادیث کی مشکلات حل کرنے کے لئے بے نظیر کتاب)
تالیف: ملک المحدثین علامہ شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی (المتوفی ۹۸۶ھ)
اس کتاب کے بارے میں تمام دنیا کے علماء اور ماہرین فن حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے موضوع پر منفرد اور بے نظیر ہے، جو اپنی جامعیت اور فنی رعایتوں کے اعتبار سے اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ الفاظ حدیث بالخصوص صحاح ستہ کی لغوی مشکلات اور دیگر مباحث کے لئے یہ کتاب گویا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جس میں لغوی تحقیق اور فنی بحثیں ایسی مبسوط اور محققانہ طریقہ پر کی گئی ہیں جو طالب علم کو دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے اور اکثر مقامات کے مرجع کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔
ہندوستان ہی نہیں بلاد عربیہ کے علماء نے بھی اس کی عظمت اور اہمیت کا غیر معمولی اعتراف کیا ہے۔
یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی، قدر دانوں کی طلب بلکہ ان کے اصرار پر اب خدا کا شکر ہے کہ نہایت آب و تاب اور عربی ٹائپ کی دیدہ زیب طباعت کے ساتھ "اچھے کاغذ پر" پہلی بار۔ محدث شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کے گرانقدر مقدمہ اور محقق لغات مولانا عبد الحفیظ بلیاوی کی تصحیح و تنقیح کے بعد، ۵ جلدوں میں، دائرۃ المعارف حیدر آباد نے طبع کرکے اہل علم کی دیرینہ آرزو پوری کر دی ہے۔
کتاب کے مجموعی صفحات سے سوا تین ہزار سے زیادہ ہونے کے باوجود۔ نفع عام اور علم دین کی خدمت کے جذبہ سے۔ پورا سیٹ لینے والوں کے لئے اس کا ہدیہ صرف ڈیڑھ سو (۱۵۰) روپئے رکھا گیا ہے۔
ہندوستان میں
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ
سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

جعلی لیبل، نقلی کیپسول اور ٹین کے ڈھکن سے ہوشیار!

نورانی تیل
درد۔ زخم۔ چوٹ۔ جلنے۔ کٹنے کی دوا۔
اب سنہرے اور ہرے دو رنگے کیپسول پر ٹریڈ مارک دیکھ کر خریدیئے۔

انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن یوپی

ہند تیل

ہر قسم کے جسمانی۔ درد۔ چوٹ۔ زخم۔ موچ۔ جلنے۔ کٹنے وغیرہ اچانک گھریلو حادثات کا فوری علاج ہے۔ اس کی مسلسل مالش کرو بچوں کو تندرست و توانا بناتی ہے
تیار کردہ:۔ ہند سی۔ سی ورکس۔ مئوناتھ بھنجن یوپی

"تعمیر حیات" میں
اشتہار
دیکر
اپنی تجارت
کو
فروغ
دیجئے

شربت نزلہ
معمولی
کھانسی، زکام
اور نزلہ کے لئے
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

معلوم ہوا۔ اللہ مایۂ ... مولانا عبد ال... رحمۃ اللہ علیہ

عطر مجموعہ نمبر ۳۹۱۸
شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات کے لئے ایک خاص ہدیہ ہے
خوشبو سے پہلے نمبر ۳۹۱۸ ضرور دیکھئے۔
حافظ محمد زکریا برادران تاجران عطر و تیل

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
نمبر ۱۴ حاجی بلڈنگ ایس وی ڈی روڈ
... بازار بمبئی نمبر ۴
TELEGRAM- CUP, KATTLY
PHONE No 332220

اسپیشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپیشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاوری او پی

تعمیر حیات

لکھنؤ — پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۴ | ۲۵ مارچ ۱۹۷۷ء — ۴ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ | شمارہ ۱۰

زر تعاون اندرون ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے — ششماہی: سات روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے

بیرون ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ — شلنگ
ہوائی ڈاک سے: امریکہ و کناڈا اور یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک: ۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

برصغیر کے انتخابات

اقوام و ممالک کی تاریخ میں بعض واقعات بڑے دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ میں ۱۷۵۷ء، ۱۸۵۷ء، ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۷ء تاریخ ساز سال کہے جا سکتے ہیں۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد ہندوستان کی غلامی کی پیشگوئی کی جا سکتی تھی۔ انگلستان کی ترقی بنگال کی بے شمار دولت اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی، ہندوستان پر تصرف حاصل کرنے سے پہلے انگلستان کی حیثیت نہایت معمولی تھی، یہ سونے کی چڑیا ہاتھ لگی تو انگلینڈ میں کارخانوں کی بنیادیں شروع ہو گئیں، چمنیاں دھواں اگلنے لگیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے بادشاہ دہلی سے ملکی انتظام کا پروانہ بزور لکھوا کر ملک میں اعلان کروا دیا کہ:

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا"

۱۸۵۷ء برصغیر کی تاریخ کا دوسرا اہم موڑ ہے، اس سال بدیشی طاقت سے نجات و آزادی کی ناکام تحریک نے ملک کو براہ راست تاج برطانیہ کا نوّے سال تک غلام بنا دیا۔

۱۹۴۷ء نوّے سالہ جد و جہد آزادی کا ثمرہ لے کر آیا، اس سال ملک نے انگریزوں کی غلامی سے نجات تو حاصل کر لی لیکن اس کی سارہ نجھ کے ساتھ اس کا جغرافیہ بھی بدل گیا، ملک تقسیم ہوا، دو آزاد مملکتیں وجود میں آئیں اور اس آزادی کے حصول کے بعد برصغیر کے باشندوں کو جوئے خوں سے گذرنا پڑا۔ ایسا قتل عام اور انتقال آبادی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کی قیادت انڈین نیشنل کانگریس نے کی تھی، ہندوستان کی آزادی میں اس جماعت نے جو کردار ادا کیا ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنگ آزادی میں اپنے نمایاں کارنامے کے باوجود اس جماعت کے سرپرست گاندھی جی کا مشورہ تھا کہ آزادی کے بعد کانگریس کو سیاسی جماعت کی حیثیت سے ختم کر دینا چاہیے اور کانگریسیوں کو حکومت و اقتدار سے دور رہنا چاہیے — گاندھی جی کا یہ مشورہ بڑی دور اندیشی پر مبنی تھا۔ اس جماعت کے قائدین اور کارکنوں نے اہنسا، ایثار و قربانی اور سماجی خدمات کے ذریعہ حب الوطنی اور شخصیت و کردار کا جو نمونہ پیش کیا تھا کرسیٔ اقتدار سے ان صفات و خصوصیات کے ملیامیٹ ہونے کا اندیشہ تھا۔ کانگریس کے ۳۰ سالہ دور اقتدار نے اس اندیشہ کو حقیقت میں بدل دیا۔ کانگریس کا ۳۰ سالہ دور اقتدار اس ملک کو صاف ستھرا، ایڈمنسٹریشن اور ہمہ گیر ترقی یہاں کے غریب عوام کو خوشحالی، کمزور طبقات کو امن و انصاف دینے میں ناکام رہا ہے۔

ہم ہمارے ملک کی سیاسی قیادت کی کامیابی یا ناکامی کا موازنہ دنیا کے تین ممالک سے کر سکتے ہیں۔ چین۔ جاپان اور جرمنی — جاپان اور جرمنی دوسری جنگ عظیم میں مکمل طور پر تباہ ہو گئے ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور ان دونوں ممالک کو سنبھالا لینے اور جنگ عظیم کے ملبہ اور کھنڈر پر ایک نئے ملک کی تعمیر کا کام شروع کرنے میں سال دو سال لگے ہوں گے — چین میں کمیونسٹ انقلاب ۱۹۴۹ء کو تکمیل تک پہونچا، جیانگ کائی شیک کی قوم پرست فوج سے برسوں برسرپیکار رہ کر ماؤزے تنگ اور چواین لائی کی قیادت میں کمیونسٹ چین نے اپنی قومی ترقی کا سفر ۱۹۴۹ء سے شروع کیا۔

ہمارا ملک ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا۔ دنیا کے نقشے پر یہ چار ممالک جن میں سے تین کا تعلق براعظم ایشیا سے ہے، قریب زمانہ میں تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے — لیکن ترقی کے میدان میں پیش رفت کے اعتبار سے ہمارا ملک چین، جاپان اور جرمنی سے برسوں پچھڑا ہوا ہے — دوسری جنگ عظیم کے زخموں سے جاں بلب ہمارے پڑوسی ملک جاپان نے کروٹ لی تو آج اپنی صنعتی ترقی اور اپنے سکّے "ین" کی بین الاقوامی قیمت کے اعتبار سے وہ یورپ اور امریکہ کی تجارتی منڈیوں اور ڈالر اور پونڈ کی حیثیت کو چیلنج کر رہا ہے، یہی حال جرمنی کی ترقی کا ہے۔ اس چھوٹے سے ملک کے معاشی استحکام کا یہ عالم ہے کہ ہم ان کے مقروض ہیں — چین ۲۰ سال کے قلیل عرصہ میں عالمی طاقت اور نیوکلیائی برادری کا ممبر بن چکا ہے۔

لیکن ہم ہندوستانی ربع صدی سے زائد عرصہ میں اپنی ناگزیر ضروریات روٹی، کپڑا اور مکان کا مسئلہ بھی حل نہیں کر سکے۔ اوسط آمدنی کے اعتبار سے ہندوستانیوں کا شمار دنیا کی پسماندہ ترین اقوام کی فہرست میں ہے۔ وسیع رقبہ، افرادی قوت اور قدرتی وسائل سے مالامال اس ملک میں عوام کا معیار زندگی دور غلامی آج سے کہیں زیادہ بہتر تھا۔ غلط منصوبہ بندی، عوام کی حقیقی ضروریات سے چشم پوشی، بیورو کریسی کی بے رحمی اور رشوت کی گرم بازاری نے عوام کی زندگی دشوار کر دی۔ معاشی استحصال اور عدم مساوات کے عذاب میں مبتلا انسانوں کو آئے دن جان و مال اور عزت و آبرو کے خطرات کا بھی سامنا تھا، گذشتہ ۳۰ سال میں مذہبی، لسانی اور علاقائی ہزاروں فسادات ہوئے، ہزاروں انسانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، کروڑوں روپے کی املاک تباہ ہوئیں لیکن مظلوموں کو انصاف ملا نہ مجرموں کو سزائیں دی گئیں۔ ملک کے شہریوں کے جان و مال، عزت و آبرو، مذہب، تہذیب اور زبان و کلچر کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اور ..... انتظامیہ پر ہوتی ہے۔ لیکن حکومت کی مداہنت اور مجرموں سے چشم پوشی کا سلسلہ گذشتہ ۳۰ سال سے جاری ہے، نتیجہ یہ کہ ہر شخص اس لاقانونیت، انارکی اور انتشار کی فضا میں اپنے کو غیر محفوظ سمجھنے لگا۔

اخلاق و مروت، اہنسا اور رواداری، عدم تشدد اور امن پسندی، امانت و دیانت، حب الوطنی اور خدمت خلق کی وہ اعلیٰ روایات جن سے جد و جہد آزادی کے دوران گاندھی جی کی قیادت میں کانگریس پارٹی نے عوام کا دل جیت لیا تھا اور انگریزوں کو شکست دی تھی وہ اعلیٰ روایات طاق نسیاں بن کر رہ گئیں۔ پورے ملک میں حکمراں جماعت نے عوام میں اخلاقی بلندی پیدا کرنے اور انسان دوستی کے پرچار کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی۔ گاندھی جی کی تعلیمات اور اس ملک میں امن و انصاف کی روایات کی امین و وارث بننے کی بجائے حکمراں کانگریس اپنے پیشرو انگریز حکام کی جانشین بن کر "پھوٹ ڈال کر حکومت کرنے" کی پالیسی پر عمل پیرا رہی۔

کانگریس کی طرف سے عوام میں عدم اعتماد اور بیزاری عرصہ سے پائی جاتی تھی لیکن کوئی متبادل جماعت ایسی نہیں تھی کہ عوام جس کو اقتدار تک پہونچاتے، انتخابات میں عوام کی اکثریت مخالف جماعتوں کے امیدواروں کو ووٹ دیتی رہی۔ مخالف جماعتوں کی کثرت اور ووٹ تقسیم ہونے کی وجہ سے کم ووٹ پا کر پورے ملک پر گذشتہ ۳۰ سال سے کانگریس کی حکمرانی رہی۔ مسز اندرا گاندھی کی قیادت میں کانگریسی حکومت گذشتہ

زبانی گفتگو کے علاوہ میں کچھ لکھ کر پیش کروں تاکہ آپ اطمینان سے اس پر نظر ڈال لیں۔

میں سب سے پہلے تو آپ کو خلوص قلب سے اس کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں جو آپ نے فرقہ وارانہ فسادات، بڑھتی ہوئی لاقانونیت، انارکی اور دہشت انگیزی کو ختم کرنے میں حاصل کی۔ جو اس ملک کو ہر قسم کی ترقی کرنے، اور دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی اور جس نے ایک بے یقینی و بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی تھی۔ اس طرح سے ملک کی انتظامی مشنری میں آپ نے ..... جو حرکت و سرعت پیدا کر دی وہ بھی ایک قابل مبارکباد کامیابی ہے، اور جو عرصہ کے بعد اس ملک میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ مذہب و اخلاق کے ایک پیرو، اقوام و ملل کی تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میں اس تمنا کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر انتظامی حکومتی اقدامات کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کے دلوں کو چھونے، ان کے اندر گہری اور مستقل تبدیلی لانے، احساس ذمہ داری پیدا کرنے، اور انسانیت کی عزت و احترام کا جذبہ پیدا کرنے اور سچی وطن دوستی کی زیادہ عمیق اور وسیع کوشش کی جاتی تو آپ کو اس سے کہیں زیادہ وسیع اور دیرپا کامیابی حاصل ہوتی، جو حاصل ہوئی ہے، اس سلسلہ میں آپ کی مجبوریوں اور دشواریوں کا مجھے احساس ہے، جو آپ کو اتنے بڑے ملک کی ان نازک حالات میں قیادت و انتظام میں پیش آ رہی ہے، لیکن میری شروع سے یہ مخلصانہ رائے رہی ہے کہ آپ کو خدا نے جو غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں، عزم صمیم اور جلد فیصلہ کرنے کی جو قابلیت عطا کی ہے، اس سے آپ ان مشکلات پر غالب آ سکتی ہیں۔

میرا شروع سے خیال رہا ہے کہ ایمرجنسی میں بڑی تعداد میں لوگوں کی گرفتاری پریس اور اظہار رائے کی آزادی پر (جو ہندوستان کا شروع سے طرۂ امتیاز رہا ہے) پابندی عائد کرنا آپ کے مزاج، تعلیم و تربیت، خاندانی روایات اور اصلی جذبات کے سراسر خلاف ہے اور آپ نے اس کو بالکل وقتی طور پر شدید مجبوری سے اختیار کیا ہے، اور جس لمحہ ملک کے حالات درست ہو جائیں گے، اور اس کی ضرورت باقی نہ رہے گی آپ اسی لمحہ اس کو ختم کر دیں گی، اس کے صحیح وقت اور حد کا تعین وہی کر سکتا ہے جو اندرونی حالات اور ملک کے حقائق سے واقف ہو اور اس بارے میں ہم سب کو آپ پر اعتماد کرنا چاہیے، لیکن اس بات کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کہ ہم سب کی تمنا ہے

کہ وہ وقت جلد آئے، حالات معتدل اور نارمل ہوں، لوگوں کو اظہار خیال کی وہ آزادی [illegible] — اور زندگی کی وہ گرمی و زندگی محسوس ہو جو ایک زندہ جسم کی خصوصیت و علامت اور جینے کا لطف و قیمت ہے، اس سلسلے میں اتنا کہنے کی اور اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کے بغیر علم و ارادہ کے ان گرفتاریوں میں بڑی بے احتیاطی اور ایک حد تک بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے جو شریفانہ جذبات سے عاری تھے اور جن کی بہت سی اغراض وابستہ تھیں، اس غیر معتدل صورت حال سے بہت

ناجائز فائدہ اٹھایا اور بہت سے [illegible] گرفتار ہوئے، ان سے متعلق ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد بھی جو نان شبینہ کے محتاج ہو گئے، دن رات [illegible] ملک جس اخلاقی پستی کے راستہ پر جا رہا تھا اور ضمیر جتنا بے حس اور مردہ ہو گیا تھا، اس کے پیش نظر یہ بات نہ مقامی حکام سے بعید ہے، نہ عام پبلک سے۔ میں آپ کو اس سلسلہ میں بڑی حد تک مظلوم بھی سمجھتا ہوں کہ آپ کو انتظامیہ کے ذمہ داروں نے بالارادہ یا بلا ارادہ بہت بدنام کیا، ہندوستان کی پبلک جو ہمیشہ سے محبت کی قدرداں بلکہ پرستار رہی ہے آپ کو اس ملک کی ناصرف

سب سے بڑی با اختیار ہستی سمجھتی ہے بلکہ آپ سے توقع رکھتی ہے کہ آپ اس کے حق میں ایک شفیق ماں ثابت ہوں اور بہت سے وجوہ سے اللہ کی یہ توقع بجا ہے [illegible] کہ آپ ان معصوم بچوں اور بے زبان عورتوں کی آہیں سن سکیں جن کے بہت سے ناکردہ گناہ اعزہ اور سرپرست جیلوں میں ہیں اور ان کی کوئی شنوائی نہیں۔

[illegible] ورنہ آپ اس صورت حال کو کسی طرح باقی رہنے کی اجازت نہ دیتیں۔ صورت یہ ہے کہ آپ کے منشاء و مقاصد کے خلاف ریاستی

حکومتوں نے اس قانون کے نفاذ اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کو اپنے اقتدار کے بقا اور سرخروئی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور اس میدان میں وہ ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی [illegible] انتظامی ذہنیت رکھنے والی غیر ملکی طاقت اور اس کے ایجنٹوں کے ذریعہ کسی ملک کے پُرامن شہریوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے، [illegible] سارا ملک ایک کیمپ میں تبدیل ہو گیا ہے [illegible] اپنے مقصد برآوری کے لئے اور اپنا [illegible] کو پورا کرنے کے [illegible] حرکتیں کر رہے ہیں، جس طرح جنگل کے جانوروں اور چڑیوں کا شکار کھیلا جاتا ہے اسی طرح غریب مزدوری کرنے والوں، دیہاتیوں اور شاگرد پیشہ لوگوں کو پکڑا جاتا ہے اور پیسے کی لالچ دے کر یا دھمکا کر یا بہلا کر اپنا حساب پورا کیا جاتا ہے، تجارتوں کے لائسنس باقی رکھنے، یا نئے لائسنس لینے حتیٰ کہ روزمرہ کی اشیاء کے حصول کے لئے بھی اس کی شرط لگائی جاتی ہے کہ وہ دوکاندار یا خریدار نس بندی کے اتنے کیس لائے، ملازمین کا طبقہ جو حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور جو ابھی تک مطمئن اور ملک میں سب سے زیادہ باعزت سمجھا جاتا تھا سب سے زیادہ پریشان ہے، تعلیمی اسٹاف جو نئی نسل کی تربیت کرنے والا ہے بے چینی اور سخت ذہنی انتشار میں مبتلا ہے، ہر مجلس کا یہی موضوع سخن بنا ہوا ہے اور ہر شخص پریشان نظر آتا ہے۔

اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ وہ اخلاقی گراوٹ ہے، جو لالچ یا خوف سے ایک ایسے ملک میں پیدا ہو سکتی ہے جس میں تعلیم و تربیت کی پہلے بھی کمی تھی، اس کا

سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اہل ملک اس خودداری و خود اعتمادی کی دولت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، جو آزادی کی تحریک، کانگریس و خلافت کی جد و جہد، گاندھی جی، مولانا آزاد، علی برادران، نہرو خاندان، اور ہمارے قابل احترام سیاسی رہنماؤں کی کوششوں سے، بڑی قربانی دے کے اس ملک میں پیدا ہوئی تھی، سارا ملک اپنے کو غلام، بے بس اور ذلیل محسوس کر رہا ہے اور اس کو شاید ہی کسی وقت یہ احساس ہوتا ہو کہ یہ ایک آزاد جمہوری ملک ہے جو ہر قسم کے جبر و تشدد سے محفوظ ہے اور جس نے اس جد و جہد کے ذریعہ جس کی نظیر دوسرے ملکوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے اپنے کو بدیشی حکومت کی غلامی سے آزاد کرایا ہے اور اب وہ اپنی مرضی کے مطابق اس ملک کا نظم و نسق چلا رہا ہے، آپ سے زیادہ اس خودداری و خود اعتمادی کی قدر کرنے والا، اس کی حفاظت کی ضرورت سمجھنے والا، اور ہر قیمت پر اس کو باقی رکھنے والا مشکل سے ملے گا، اس لئے کہ اس کے حصول میں آپ کے خاندان کا بنیادی حصہ ہے اور آپ نے اس پودے کو اپنے خون، پسینہ سے سینچا ہے۔ آپ اپنی قیادت کے زمانہ میں، اور اپنی آنکھوں کے سامنے اس پودے کو مرجھاتا اور جلتا ہوا نہیں دیکھ سکتیں اس وقت ملک کی بہت جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، اس کے لئے اگر کوئی قوم زوال اور غلامانہ سیرت اختیار کر لے، اس کے اندر سے خودداری، بلند حوصلگی اور اخلاقی جرأت کے صفات نکل جائیں۔ وہ پیسے کی خاطر یا ڈر و دھونس سے بالکل اپنی مرضی کے خلاف ہر کام کر سکے، وہ یہ سمجھنے لگے کہ ہر قیمت پر زندہ رہنا، ملازمت، عہدہ کو برقرار رکھنا ضروری ہے، اور اس میں ضمیر، اصول، عزت و خودداری کا کوئی سوال نہیں، تو پھر وہ ملک خواہ سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حیثیت سے کتنا ہی ترقی کر جائے خوش ہونے کی بات نہیں کہ قوم اپنی سیرت [illegible] اندرونی صفات، خودداری اور اخلاقی جرأت سے [illegible] معیار زندگی کے بلند ہو جانے اور وسائل معیشت کے حاصل ہو جانے سے نہیں۔

(باقی صـ۱۱ پر)

دس سال سے جس راہ پر گامزن تھی اس نے ملک کے ہر بہی خواہ کو بے چین و پریشان کر دیا تھا، عوام نے ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں "غریبی ہٹاؤ" کے نعرے اور غیر جانبدار صاف ستھرے انتظامیہ کی امید پر مسز اندرا گاندھی کی بھرپور تائید کی تھی، لیکن عوام کی یہ تمام توقعات سراب ثابت ہوئیں۔ مسائل اپنی جگہ جوں کے توں تھے لیکن حکمراں کانگریس بین الاقوامی اثر و رسوخ اور چودھراہٹ کی تگ و دو میں مصروف رہی، انتشار اور لاقانونیت کو روز اول سے روک لگانے کی بجائے اسے بڑھاوا دیا جاتا رہا، بعض خاص علاقائی تنظیموں شیوسینا وغیرہ کو اپنی مقصد براری اور مذموم سیاسی مقاصد کے لئے پروان چڑھایا گیا۔ فسادات کے روک تھام کی ذمہ داری سے گریز کرتے ہوئے اس کا الزام مخالف جماعتوں پر عائد کرنے کا ایک عام معمول بن گیا۔ یہ عجیب انتظامیہ تھا جو مجرموں کی نشاندہی بھی کرتا رہا اور انھیں کھلی چھوٹ بھی دیتا رہا، اقتصادی ترقی کی سست رفتاری پر مخالف جماعتوں کو مورد الزام گردانا گیا۔ بدامنی، لاقانونیت اور تخریب پسند عناصر کی سرکوبی کے لئے سخت اقدامات اس وقت کئے گئے جب اپنا اقتدار خطرہ میں نظر آیا۔ ملک میں ہنگامی حالات کا نفاذ جس ماحول میں عمل میں آیا اس سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں مقدمہ میں ناکامی کے بعد جب اپوزیشن کی طرف سے استعفیٰ کا مطالبہ اور ایجی ٹیشن کی دھمکی دی گئی تب ایمرجنسی نافذ ہوئی۔ ان حالات میں ایمرجنسی کے نفاذ کو کون شخص ملک کے عام ابتر حالات میں اٹھایا ہوا انتہائی قدم کہے گا۔ ایمرجنسی کے دوران ۱۹ ماہ تک ملک میں شمشان کا سناٹا تھا، مخالف جماعتوں کے لیڈر گرفتار تھے، بقول حکمراں کانگریس ۲۴ تخریب پسند تنظیموں پر پابندی عائد کی گئی تھی اور ان جماعتوں کے ہزاروں کارکن جیل میں بند تھے، اس عرصہ میں اگر خلوص سے کام کیا جاتا اور واقعی عوام کی فلاح و بہبود کی کوشش ہوتی تو عوام مخالف جماعتوں کو بھول جاتے لیکن ایمرجنسی کے زمانہ میں ۲۰ نکات کے زبانی پروپیگنڈہ کے ساتھ اپنے صاحبزادے کے ۵ نکات بھی شامل کر لئے گئے، اور منجملہ ۲۵ نکات میں سے پورا زور ایک نکتہ پر دیا گیا اور وہ تھی جبری نسبندی۔

حکمراں کانگریس تعلیم یافتہ اور باشعور طبقہ میں اور شہری حلقہ میں پہلے ہی نامقبول تھی، جبری نسبندی کے پروگرام نے اس جماعت کی نفرت کو دیہاتوں تک پہونچا دیا۔ صورت حال کی خرابی کا احساس مسز اندرا گاندھی کو بار بار دلایا گیا۔ ہم اسی شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ۲۵ اگست ۱۹۷۶ء کو وزیراعظم سے ملاقات و گفتگو اور اس مکتوب کو شائع کر رہے ہیں جس میں پوری صراحت سے آنے والے خطرات کی نشاندہی کی گئی تھی۔ لیکن نشۂ اقتدار میں مخلص حضرات کی باتوں پر بھی کان نہیں دھرا گیا۔ انتخابات کا اعلان اس امید اور توقع پر ہوا تھا کہ میدان صاف ہے لیکن اندر ہی اندر پکنے والے لاوے نے آتش فشاں کی صورت اختیار کر لی۔ اور جس دن کانگریس کے مخلص لیڈر اور اندرا گاندھی کے خیرخواہ ساتھی مسٹر جگجیون رام اور مسٹر بہوگنا نے کانگریس سے بغاوت کی اسی دن ہندوستان میں قیادت کی تبدیلی کا فیصلہ ہو گیا۔

قیادت کی اس تبدیلی میں مسلمانوں نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ اس کا اعتراف موجودہ حکمراں جنتا سرکار کو بھی ہے۔ ان انتخابات نے ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد اور بھائی چارہ کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر تحریک خلافت کے علاوہ ملنی مشکل ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے، مسلمانوں کو اس فضا کو برقرار رکھنے اور اسے ترقی دینے کے لئے ایک لمحہ بھی غفلت نہیں کرنی چاہئے۔

ایمرجنسی شر کے ساتھ کئی خیر کے پہلو بھی اپنے جلو میں لے آئی، جیل کے محدود ماحول میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مہینوں اختلاط ایک دوسرے کو سمجھنے میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے ہمیں جو رپورٹیں مل رہی ہیں وہ بڑی حوصلہ افزا ہیں کہ غیر مسلم حضرات اور وہ جماعتیں جنھیں حکمراں کانگریس نے مسلمانوں کے لئے ہوّا بنا رکھا تھا مسلمانوں کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کو بدل رہی ہیں۔ مسلمان کسی بھی جماعت کے سلسلے میں خیر کل کُشا کا تصور نہ رکھیں۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہونا چاہئے۔ اسی کے دامن میں پناہ اور اسی سے نفع اور عافیت کی امید رکھنی چاہئے۔ قیادت کی موجودہ تبدیلی ملک و ملت اور عالم انسانیت کے لئے باعث خیر و فلاح ہو اس کی دعا سے مسلمان کبھی غافل نہ ہوں۔

پاکستان میں بھی ہندوستان کی طرح انتخابات ہوئے، انتخابی مہم سے یہ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ حکمراں بھٹو حکومت کا آسن ڈانوا ڈول ہے، نو جماعتی متحدہ محاذ کا پاکستان کے عوام نے جس پیمانے پر استقبال کیا اس میں ہندوستان کے "جنتا لہر" سے کہیں زیادہ تیزی و تندی عیاں تھی لیکن نتائج بالکل برعکس نکلے، وجہ وہ دھاندلیاں تھیں جو اس الیکشن میں بڑے پیمانے پر ہوئیں۔ حزب مخالف نے اسمبلی کے انتخاب کا بائیکاٹ کر کے جو ملک گیر احتجاجی مہم چلائی ہے اسے عوام کا بڑے پیمانے پر تعاون حاصل ہو رہا ہے۔ بھٹو صاحب کا انجام ایوب خان مرحوم کی طرح نظر آ رہا ہے۔ ۲۴

سال ۱۹۷۷ء برصغیر کی تاریخ کا وہ اہم سال ہے جس میں ہندوستان میں بظاہر ناقابل تسخیر حکمراں جماعت کو اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا اور پاکستان اسی راہ پر گامزن ہے۔

تسنیم فاروقی

سلام تسنیم

جو قدم بوسی میں تھے اُن لالہ زاروں کو سلام
جن پہ چلتے تھے نبیؐ اُن رہگذاروں کو سلام
بعد اُن کے کیوں نہ بھیجوں چار یاروں کو سلام
چاند کے ہمراز تھے جو ان ستاروں کو سلام
سرخرو ہوتا تھا جن کے خوں سے میدانِ جہاد
ان شہیدوں پر دُرود ان شہسواروں کو سلام
وقف تھیں جن کی دُعائیں حق کی نُصرت کے لئے
ان حرم کی بیبیوں ان پردہ داروں کو سلام
تھے جو شامل جنگ ایران و حنین و بدر میں
آپ کے ان دوستوں ان جاں نثاروں کو سلام
جس سے وابستہ ہوئی تاریخ معراج النبیؐ
اس شب پُرنور کے رنگیں نظاروں کو سلام
حکم رب سے آپؐ کے اور آپؐ کے اصحابؓ کے
تھے جو پہرے دار ان خاموش غاروں کو سلام
فی سبیل اللہ اپنا سر جو کٹواتے رہے
ان خدا والوں کو ان سجدہ گزاروں کو سلام
یاد آ جاتا ہے جن کو دیکھ کر جذبِ بلالؓ
اے نسیم صبح کہنا ان مناروں کو سلام
مصطفےٰ کے غم سے جو روشن ہیں دل اُن پر درُود
ہو نبیؐ کا درس جن میں ان اداروں کو سلام
تھا خلافت میں بھی جن کو اپنی مزدوری پہ ناز
جو فقیری میں رہے ان تاجداروں کو سلام
کب سے پیاسی روح کا دم گھٹ رہا ہے جسم میں
کوثر و تسنیم و زمزم کے کناروں کو سلام

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دھلی میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحق جلیس ندوی
کتابت: جلال الدین بستوی ندوی

امت کے وفود آقا کے حضور میں

مؤرخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرز فکر ان کا ساتھ . . . . . نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لئے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے، وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں، مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبویؐ میں روضۂ جنت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا کثیر مجمع تھا، ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں، تلاوت قرآن کی آوازیں فضا میں اس طرح گونج رہی تھیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے میں بھنبھنا رہی ہوں، اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس امت کی شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبیؐ کو ہدیہ سلام اور خراج عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زبانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں سب یک زبان ہو کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ،

آپ ہی وہ نبیؐ ہیں، جنھوں نے اللہ کے حکم سے اُن کو ظلمت سے روشنی کی طرف نیز بدبختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا

وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہون منت ہے، اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی کے ذریعہ عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لئے جائیں جنھوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائیگی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی، میں نے دیکھا کہ باب جبریل سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے، سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے لوگ ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا وفور صاف عیاں تھا، وہ باب الرحمۃ اور باب جبریل کے درمیانی حصہ میں پھیل گئے، وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کا شمار کوئی آسان نہیں تھا، میں نے دربان سے پوچھا کہ:- یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ:- اس امت کے امام اور رہنما انسانیت کے محسن اور نوع انسانی کے ممتاز اور قابل فخر نمونے ہیں، ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانہ اور مکتب فکر کا بانی اور سرپرست پوری نسل کا مربی اور مستقل علوم و فنون کا موجد ہے، ان کے لازوال آثار اور لافانی شاہکار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ان کے علم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کتنی کتنی نسلوں نے سفر زندگی طے کیا ہے، اس نے عجلت کے ساتھ چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دئے۔ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاریؒ، امام مسلم، تقی الدین ابن تیمیہ، ابن قدامہ، ابو اسحاق الشاطبی، کمال ابن ہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی، اگر ان شخصیتوں میں اپنے زمانہ اور اپنے ملک و وطن اور اپنی علمی و دینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہ نبویؐ میں خراج عقیدت پیش کیا اور اشک ندامت نذر کیے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انہوں نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوری قلب کے ساتھ ادا کیا، پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقد مبارک کی طرف بڑھے اور بہت جنچے تلے، مختصر معانی سے لبریز، گہرے اور پُرمغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت، وہ کہہ رہے تھے:-

"یا رسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جنھوں نے انسانی ذہن اور انسانی صلاحیت نے تخلیقی گل بوٹے پیدا کئے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا اور اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو نہ اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے، نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا ہوتا جس کے سامنے دنیا کا سارا ذہنی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرت کاملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے ایسی پرزور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجر علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا کہ آج نظر آ رہا ہے عقل انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی اور دنیا روشنی سے محروم"۔

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمۃ سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا، صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے، مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی، ابن السماک، شیخ عبدالقادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبدالوہاب المتقی جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنھوں نے اپنے قابل رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔ نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبیؐ و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کو درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے:-

"یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لئے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ "اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے"۔ اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ "دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی زندگی گزارتا ہے"۔ اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہ نے اس طرح کیا ہے کہ:- ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی"۔ تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے نہ ہم محض گذارہ پر بسر کر سکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور جاہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔"

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پورے طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساء" سے بہت لحاظ اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا، ظاہری آرائش اور آزادروی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا، یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں، بہت دبی زبان میں اور پورا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:۔

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں یارسول اللہ! ایسے طبقہ کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی، آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے، آپ نے وراثت میں ہم کو شریک کیا اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا، یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبے میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ:۔ "عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطہ سے حاصل کیا ہے" اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء مرسلین اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جاسکتی ہے۔

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو باب السلام کی طرف سے آرہی تھی، میں اُن کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب، ائمہ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی، اس میں ابو الاسود الدؤلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاہر الجرجانی، السکاکی، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضیٰ الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبہ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے، میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:۔

"یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور وہ اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی، تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا، نہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں نہ عربی زبان کے مفردات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں اتنی زبردست اور طویل جد و جہد کے لئے تیار ہوتے (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے جن کی ادبیت و زبان دانی کا اہل زبان نے بھی لوہا مان لیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد وجود میں آئے، درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا اور عرب و عجم اور مشرق و مغرب کو گلے ملا دیا اور شیر و شکر بنا دیا، آپ کا کتنا احسان ہے ہماری اس ذہانت طباعی اور تبحر علمی پر، اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر، اور قلم کی گلکاری پر، یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان بہت سی اور زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی، اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیر و تبدل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی جیسا بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے، عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی صحت و اصلیت یکسر ختم ہو جاتی، یہ آپ کے وجود مبارک، شریعت اسلامی اور اس کتاب مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دستبرد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لئے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیر محبت بنا دیا ہے، آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کے بقا و ترقی کی ضمانت کی، اس لئے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔"

میں ان کے اس تشکر و اعتراف اور اظہار حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ "باب عبد العزیز" پر جا کر ٹھہر گئی اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے، اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین اور فرمانروا شامل تھے، ہارون رشید، ولید بن عبد الملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، اور چوبداروں کو دروازہ کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا، اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع و انکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے، میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے، میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا، جس پر ان کا سکہ چلتا، ان کا ڈنکا بجتا تھا ان کی بادشاہی اور فرمانروائی کی تصویر یکایک میرے سامنے آگئی، جو اُن کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقتور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی (ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا، تو جہاں چاہے جاکے برس، تیرا خراج آخرکار میرے ہی خزانہ میں آئے گا) وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سانڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ ۱۵ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو پیش کرنے پر مجبور تھے ایسے فرمانروا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا، اور جن کے زمانہ میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے، غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے بادشاہ اور فرمانروا اس مجمع میں موجود تھے، وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حضورؐ کو درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لئے سب سے بڑا شرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش اُن کی یہ نماز اور یہ درود و سلام قبول ہو، میں نے دیکھا کہ،

وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں، اُن کے دلوں پر ہیبت طاری تھی یہاں تک کہ وہ "صفہ" کے نزدیک پہونچ گئے جو فقراء صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا، وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں رُک گئے اور عزت و احترام اور شرم و حیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقراء و مساکین کا ٹھکانا تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں۔

اس کے قریب ہی انہوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت و عقیدت، جذبات و احساسات اور علم و ایمان نے جو کچھ کہلوایا وہ انہوں نے اس بارگاہ نبویؐ میں عرض کیا لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحید خالص کو پیش نظر رکھ کر۔ میں نے سُنا وہ کہہ رہے تھے:۔

"اے خدا کے رسولؐ! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا، اور اگر آپ کا یہ

دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آباء و اجداد گوشۂ گمنامی اور قعر ذلت سے نکل کر عزت و سربلندی، بلند ہمتی و حوصلہ مندی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے پھر اس کے نتیجہ میں انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں، دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانہ میں ان کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلہ کی طرح ان کی پاسبانی و حفاظت کرتی تھیں، اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیر عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی، ہم اسی طرح بے آب و گیاہ، خشک و ویران صحراؤں اور بنجر وادیوں میں دست و گریباں رہتے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا، ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیار زندگی اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے، ہم اس گاؤں یا اپنے محدود قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جد و جہد محصور تھی، ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنوئیں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباء و اجداد کے گن گاتے تھے۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا کی جس سے ہماری آنکھیں کھل گئیں، خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی، اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے ہماری مردہ و خوابیدہ صلاحیتیں پیدا ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک، بُت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سایہ میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے،

آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذر عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لئے باعث فخر اور وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں، ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی، ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں بے شک وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا میری نظریں ان کے خاموش اور با ادب چہروں پر مرکوز تھیں، میرے کان ان کے ان پُرخلوص نیازمندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی پرواہ کئے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی، یہ اندازہ غلط نہ تھا اس لئے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی، اس میں سید جمال الدین افغانی، امیر سعید حلیم، مولانا محمد علی جوہر، شیخ حسن البناء کے پہلو بہ پہلو ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف اور ہندوستان کے ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے۔ ترجمانی کے لئے ان لوگوں نے آخر الذکر کا انتخاب کیا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کیا:۔

"خواجۂ کونین سالار بدر و حنین یارسول اللہ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوان نعمت کی ریزہ چیں ہے اور آپ کے سایۂ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی، اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں جنکو آپ نے قفس استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنے مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود کا دار و مدار ہے، اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس امت واحدہ کو کثیر التعداد ٹولیوں میں تقسیم کر دیں، وہ اُسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا، وہ اس امت کو عہد جاہلیت کی طرف دوبارہ واپس لے جانا چاہتے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکالا تھا اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے، وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ "چراغ مصطفوی" اور "شرار بولہبی" کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے، بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آرہے ہیں جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں، وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور اصنام پر فخر کرنے لگے ہیں جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا، یہ لوگ اُن تاجروں میں ہیں جو سودا خریدتے وقت تو زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں، آپ سے انہوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت و عزت سے بہرہ مند ہوئے اب وہ ان قوموں کے ساتھ جن کے وہ حاکم اور نگراں ہیں یہ سلوک کر رہے ہیں کہ ان کو پھر یورپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور اس کو جاہلی فلسفوں، نیشنلزم، سوشلزم، کمیونزم کے حوالہ کر رہے ہیں۔

آپ نے جن بُتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلط کئے جا رہے ہیں، نئے عالم عربی کے بعض حصوں میں جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہیے تھا ایک عام بغاوت نظر آرہی ہے لیکن کوئی فاروق (رضی اللہ عنہ) نہیں انکی ذہنی ارتداد کی آگ تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لئے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔

میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمائندگی اور ترجمانی کا فخر مجھے حاصل ہوا، آپ کو دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے سلام کا تحفہ قبول ہو، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور رہنماؤں سے بری اور بیزار ہیں جنھوں نے اپنا رُخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا آپ سے اور آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے، ہم آپ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں اور جب تک زندگی ہے اسلام کی اس رسّی کو انشاء اللہ مضبوطی سے پکڑے رہیں گے!"

یہ بلیغ اور ایمان و یقین سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبویؐ کے میناروں سے اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ" میں یکبارگی ہوشیار ہو گیا اور تجلیات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہوا تھا، ٹوٹ گیا، میں اب پھر اسی دنیا میں واپس آگیا تھا جہاں سے چلا تھا، کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے، عالم اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کر رہی تھیں، زبانوں اور لہجوں کے اختلافات کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

★★

کہاں یہ حظِّ نفسانی کہاں وہ لطفِ رُوحانی

دورانِ قیام لکھنؤ

عارف باللہ

مولانا محمد احمد صاحب

پھولپوری

کی

عرفانی و نورانی

مجالس

مرتبہ: سید سلمان حسینی ندوی

گذشتہ شمارہ میں ایک عارف ربانی کی پہلی مجلس میں ہم کو بیٹھنے کا موقع ملا تھا، اس مجلس میں کچھ ایسا روحانی سماں بندھ گیا تھا اور دل بیمار کو ایسی دوا ملی تھی جس سے دل کی کثافتیں بہت کچھ دور ہوئیں، کان حق آشنا ہونے لگے، دل حق آگاہ ہونے لگا تو پھر کیوں نہ ان پُرکیف نورانی اور روحانی مجلسوں کا سلسلہ دراز ہو، اور "کان یتخولنا بالموعظة" کے مصداق ہر دس پندرہ روز بعد کسی اللہ والے کی صحبت اٹھائی جائے جس کے ذریعہ اس بے حس اور غافل دنیا میں ایسے مجھ جیسے دل کی بے حسی کا علاج ہو اور آتش شوق و محبت فزوں سے فزوں تر ہوتی جائے۔

اب تو ان مجلسوں کا بسط و اختصار ان کو سمیٹنا اور پھیلانا ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم نے جو تین مجلسوں میں سُنا تھا ٹھہر ٹھہر کر اور جستہ جستہ آج اس کو یکجا ہی سُنا دیا جائے۔

۱۸ ذی الحجہ کی صبح پونے دس بجے قیام گاہ پر حاضری ہوئی، کسی مناسبت سے فرمایا:

"شفقت اور محبت کے ساتھ اللہ کے لئے آدمی بولے تو ٹوٹی پھوٹی باتوں میں اثر ہوتا ہے، قصبہ پور کے عبدالحکیم صاحب ایک گاؤں میں پڑھاتے تھے، انہوں نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی، میں نے کہا کہ تین شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے مجھے کوئی خلوت کی جگہ دے دی جائے تاکہ بلا وجہ انتشار اور اضاعت وقت نہ ہو، دوسرے یہ کہ مجھے کسی متعین موضوع پر بولنے کے لئے نہ کہا جائے، تیسرے یہ کہ میں ہدیہ قبول نہ کروں گا اس کی زحمت نہ کی جائے اور اس پر اصرار نہ کیا جائے، انہوں نے یہ شرطیں منظور کرلیں، اور میں گیا، رات کو میرا بیان ہوا، توحید اور اتباع سنت کی دعوت دی، شرک و بدعات سے منع کیا۔ — دوسرے دن ایک اور صاحب آئے اور فرمائش کی میرے ہاں بھی بیان فرمائیے، میں نے ان کی فرمائش قبول کرلی اور وہاں جاکر بیان کیا، بیان کے اختتام پر وہاں کے ایک رئیس صاحب نے جاتے وقت مجھے اپنے گھر پر دعوت دی، میں ان کے یہاں پہونچا تو ان کے گھر میں ایک بڑی تصویر لٹکی دیکھی، میں نے اس پر ان کو ٹوکا، خیر جب میں واپس ہونے لگا تو وہ مجھے ہدیہ پیش کرنے لگے، میں نے اپنی شرط کے مطابق قبول نہ کیا، میرے ہدیہ نہ قبول کرنے سے وہ بہت نادم ہوئے کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ مولویوں پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کو یہ مرض تھا کہ کہا کرتے تھے مولوی پیسوں کے بندے ہیں، مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے ان کو توبہ کروائی، وہ بہت نادم ہوئے، اور اپنی اس حرکت سے باز آئے۔"

دراصل ایسے ہی اللہ کے بے غرض اور مخلص بندے دین کی دعوت کو عام کر سکتے اور دین اور علماء دین کا وقار پیدا کر سکتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اسلام ناز کرتا ہے، کمال یہ ہے کہ اگر ایک طرف استغناء اور شان خودداری ہے تو دوسری طرف یہ عارف فوراً اپنے دل کو ٹٹولتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں استغنا کے ظاہری بھیس میں نخوت و تکبر کا شیطان چھپا ہو، اسی حقیقت کی طرف حضرت مولانا نے بڑے اختصار کے ساتھ لطیف انداز میں اشارہ فرمایا:

"استغناء اور کبر کی سرحدیں بالکل ملی ہوئی ہیں، استغناء جائز ہے، کبر ناجائز، اتنی باریک راہ اور ایسی خاردار جھاڑی جہاں ہر وقت اس کا خطرہ کہ کہیں استغناء کی طرف جاتے ہوئے کبر کے خار دامن سے نہ الجھ جائیں صاف نکل جانا شرط ہے کمال کی۔"

دنیا سے بے نیازی اور بے رغبتی اور دنیا کی طمع و لالچ اور دنیا سے بے نیازی کی قدر و عظمت کو بڑے دلچسپ پیرایہ میں پرندوں کی مثال دے کر بیان فرمایا:

"ایک بزرگ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے، مریدین و حاضر باش موجود تھے، اچانک دیکھا کہ ایک باز اُڑتا ہوا جارہا ہے، اس کے پیچھے ایک کبوتر اُڑتا چلا جارہا ہے، اور اس کے پیچھے کوّا لپک رہا ہے، بزرگ نے مریدین سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ مریدین نے کہا: حضرت آپ ہی فرمائیں، فرمایا باز تو دنیا سے بے رغبت زاہد ہے جو دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر اُڑ گیا، اور کبوتر دنیا ہے جو اس کا پیچھا کر رہی ہے، اور کوّا طالب دنیا، زاہد تو دنیا سے ہاتھ جھاڑ کر اور رُخ پھیر کر بھاگتا ہے، اور دنیا اس کے قدموں پر گرنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑتی ہے، اور طالب دنیا، دنیا کے پیچھے دوڑتا ہے، دنیا اس سے بھاگتی ہے، اقبالؔ کے عقاب و شاہین بھی انہیں صفات سے آراستہ ہیں ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

کسی پر احسان دھرنے اور احسان جتانے کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"احسان نہ دھرنا چاہیے، بلکہ خدمت کرکے اس پر خوش ہونا چاہیے کہ خدمت قبول کرلی گئی، قبول نہ ہو تو ثواب کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ، کسی ٹوٹے ہوئے دل والے اور مخلص شخص کا ہدیہ بھی کیسی شان رکھتا ہے اور اس کو قبول کر لینے سے ہدیہ کیا مقام بلند حاصل ہوتا ہے اسکا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے پڑوس میں ایک بڑھیا چرخہ چلاتی تھی، اسکے پاس کئی روز کے کام سے بہت سی کوڑیاں جمع ہوگئیں، اس نے انھیں بھنایا تو دو پیسے ملے، وہ ان دو پیسوں کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضرت بطور ہدیہ قبول فرمالیں، حضرت نے فرمایا، مجھ کو حاجت نہیں ہے، وہ بے چاری لوٹ آئی، لیکن اس کو ہدیہ نہ قبول کرنے پر بڑا رنج تھا، اور اس کے ٹوٹے دل پر اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ اس کی نیند اُڑ گئی، تین دن تک یہی حال رہا، نہ سوتی تھی نہ کھانا اچھا لگتا تھا۔ ادھر حضرت شاہ صاحب کے قلب کا یہ حال ہوگیا کہ جیسے کوئی روحانی لذت اور قلبی کیف اڑا لے گیا ہو، اب نہ نماز میں وہ لذت اور کیفیات رہیں اور نہ ذکر میں وہ کیف و سرور رہا، یکلخت بڑا فرق محسوس ہونے لگا، بہت سوچنے کے بعد ان کی سمجھ میں آیا کہ میں نے بڑھیا کا وہ اخلاص میں ڈوبا ہوا ہدیہ قبول نہ کیا تھا، یہ اسی کی ظلمت ہے، تہجد کا وقت تھا، طبیعت میں تضرع و انابت کی سخت کیفیت پیدا ہوئی اور خدا کے حضور اپنے اس فعل سے توبہ کی پھر اس کے گھر گئے اور کہا، لاؤ میرے پیسے دیدو، بڑھیا کو بیحد خوشی ہوئی، اس نے اپنی تین روز سے جو کیفیت تھی بیان کی اور بڑی مسرت سے ہدیہ پیش کیا، حضرت شاہ صاحب نے اب بڑی عظمت سے وہ ہدیہ قبول کیا اور ان کی وہی کیفیات پھر عود کر آئیں۔"

اخلاص و محبت سے جو کام ہوتا ہے اس میں عجیب نور پیدا ہوجاتا ہے، اور اس کی لذت کا مقام ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

فرمایا: "مولانا یعقوب صاحب نانوتوی فرماتے تھے: ایک شخص لکڑی توڑ توڑ کر لایا کرتا تھا، غریب تھا، خود محنت کرتا تھا، بڑا مخلص اور سچا آدمی تھا اس نے ایک روز علماء کی دعوت کی، اس کی اس پُر خلوص اور محبت سے بھرپور اور خالص حلال کمائی کی دعوت کا یہ اثر ہوا کہ چالیس روز تک دعوت میں شریک ہونے والے علماء نے نماز میں حضوری کیفیت محسوس

کی، اس کے برخلاف کسی امیر نے دعوت کی، محض رسمی دعوت۔ تو اس کا اثر یہ ہوا چالیس روز تک نماز و اذکار میں وہ لذت و کیف حاصل نہ رہا اور انقباض و بے کیفی رہی۔" یہ سب کچھ اخلاص و محبت کا کرشمہ ہے، جس قدر اخلاص ہوگا، عمل اتنا ہی نورانی ہوگا، ہاں عمل کی نورانیت کا ادراک کرنا بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کا قلب بھی منور ہو، جو ظلمت کدہ میں ہو وہ ان نورانی کیفیات کا احساس کیسے کرسکتا ہے، ہمیں اور آپ کو ان باتوں پر استعجاب و حیرت اسی وجہ سے تو ہوتی ہے۔ کہ ہماری کثافتیں اور قلب و وجدان پر دبیز چادریں ان نورانی شعاعوں کو چھن کر نہیں آنے دیتیں جو قلب شفاف و روح مزکّی پر صبح و شام بکھیری جاتی ہیں۔

فرمایا: "اہل اللہ کے قلبی اعمال زیادہ ہوتے ہیں" اور کیوں نہ ہوں، ظاہری اعمال کے لئے تو محدود اوقات ہیں وہ ادا کرلئے بس چھٹی، لیکن جہاں خموشی فکر حق کی غماز ہو اور گفتگو گفتار حق کی آواز، وہاں غفلت کا کیا گذر اور عبادت و طاعت سے کس وقت مفر، اسی لئے فرمایا: "اللہ والوں کا خاموش رہنا بھی عبادت ہے" کیونکہ خموشی میں وہ فکر میں مستغرق رہتے ہیں" وصمته فکرة" اور گفتگو میں ان کی زبان ذکر سے تر رہتی ہے، جس شخص کی خموشی فکر الٰہی سے روشن ہو اور گفتگو ذکر الٰہی سے آراستہ وہی مومن کامل ہے"

فرمایا: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ بیمار تھے، فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ بندہ کی عاجزی ظاہر کرنے کے لئے بندہ کو مرض میں مبتلا کرتا ہے، وایوب اذ نادیٰ ربه انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔

بیمارگی، عاجزی، اور ناتوانی ظاہر کرنے ہی کے لئے یہ ساری کرشمہ سازیاں ہیں۔ ع

ترا اختیار ہونا اور میرا مجبور ہوجانا

میں نے دریافت کیا کہ حضرت حضوری کی کیا تشریح ہے۔

فرمایا: حضوری کے دو درجے ہیں، (۱) بالواسطہ (۲) بلا واسطہ، بلا واسطہ حضوری کبھی کبھار طاری ہوتی ہے، اور بالواسطہ اکثر رہتی ہے، بلا واسطہ حضوری میں ایسا استغراق ہوجاتا ہے کہ اگر وہ دائم رہے تو انسان اعمال ترک کردے، اور یہ مطلوب نہیں۔

آدمی یہ سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بیٹھتے تھے، کیسے کھاتے تھے وغیرہ وغیرہ یہ بالواسطہ حضوری ہے، اور وہ حضوری

وقال ربكم ادعوني أستجب لكم

جس میں ایسا استغراق ہوکر آدمی اعمال ترک کردے تو ایسی حضوری مہلک ہے، کوئی سنت غفلت کے ساتھ ادا کرنا بے حضوری ہے اور کسی سنت کو سنت خیال کرتے ہوئے اور اس نیت کے ساتھ کہ اس عمل کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع حاصل ہوتا ہے یاد و حضوری ہے۔

فرمایا: ایک ایسا حال بھی آجاتا ہے کہ اللہ کے سوا پھر آدمی کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا لیکن اس حال کا دوام مطلوب و مقصود نہیں، اس کو ہوش میں لایا جاتا ہے اور شریعت پر عمل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے ؎

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے فرمایا: اگر ہر کام اس استحضار کے ساتھ کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا، یا کرنے کا حکم دیا تو چند دن میں وہ نسبت حاصل ہوسکتی ہے جو سالہا سال کے ذکر و شغل اور عبادت و ریاضت سے حاصل ہوا کرتی ہے، قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور رحيم۔

فرمایا: مجذوب کا یہ کمال سمجھا جاتا ہے کہ وہ فرائض سے غافل ہوجائے، نہیں، یہ کمال نہیں ہے، کمال تو یہ ہے کہ فرائض ادا کرتا ہو، حقوق ادا کرتا ہو اور شریعت محمدیؐ پر عامل ہو۔ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔

فرمایا: کافر بھی ماں باپ سے محبت کرتا ہے، لیکن وہ محبت محض طبعی ہے اور مومن اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے محبت کرتا ہے، یہی استحضار و حضوری ہے۔

فرمایا: کمال یہ ہے کہ اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب طبیعت ثانیہ بن جائے، جس طرح بھوک لگنے اور پیاس لگنے پر قرار نہیں آتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی عدم ادائیگی پر بے قراری اور بے چینی ہو۔

فرمایا: ایک چیز اختیاری ہوتی ہے اور ایک چیز غیر اختیاری، ہم نماز پڑھیں اور اس استحضار کے ساتھ کہ ہم خدا کے سامنے ہیں اور خدا ہمیں دیکھ رہا ہے "أن تعبد الله كأنك تراه" یہ حضوری ہے اور اختیاری ہے، حدیث میں آیا ہے کہ آدمی دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں کسی چیز کا خیال نہ آئے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یہ جزاء اس اختیاری حضوری ہی پر ہے، غیر اختیاری چیز کا آدمی مکلف نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ خود ہی کسی بندہ میں پیدا کردے تو بہت خوب ... اور بہت قابل قدر۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ کے نزول پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت ڈر گئے اور گھبرا گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم سے ہمارے دل میں گذرنے والے خیالات کے بارے میں بھی سوال ہوگا اور اس پر مواخذہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ "لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ ہمارے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہوجائیں، یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو اپنی زبان پر لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو دلیل ایمان ہے۔ بھئی جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں تو چور ڈاکو جاتے ہیں، جہاں خزانہ ہی نہ ہو، وہاں کیوں جانے لگے، اسی طرح جس دل میں جتنا ایمان ہوتا ہے اتنا ہی شیطان وساوس اور خیالات فاسدہ دل میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

ربنا ما خلقت هذا باطلا

بروز سنیچر ۶ بجے بعد مغرب پھر مجلس ہوئی، مخصوص حاضرین تھے، مولانا کی طبیعت میں بڑا انشراح تھا، مولانا محمد رابع صاحب ندوی نے عرض کیا کہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ حضرت یہاں تشریف لائے، فرمایا، آپ حضرات کی محبت ہے پھر بیساختہ ایک روحانی نغمگی کے ساتھ یہ پڑھا ؎

مے محبت کے جو ہیں طالب
مزے محبت کے پا رہے ہیں
کبھی محبت سے آرہے ہیں
کبھی محبت سے جارہے ہیں

فرمایا: دیکھئے، بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، لیکن آدمی بھوک یا پیاس کو دیکھتا نہیں، اسی طرح صبر و شکر، رضا و محبت وغیرہ کو بھی آدمی نہیں دیکھتا (لیکن اپنی ذات میں غور کرے اور بصیرت سے دیکھے تو کیسے کیسے عالم نظر آتے ہیں) وفی انفسکم افلا تبصرون۔

فرمایا: یہ عالم اوامر کی پابندی کے لئے بنایا گیا ہے، اور اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب ہی ترقی کا ذریعہ ہے، اگر اوامر و نواہی کا سلسلہ نہ ہوتا تو انسان ترقی نہ کرسکتا۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین سے پوچھا، اگر تم کو جمعہ کی خاص ساعت ملے (جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اسوقت کی مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے) تو کیا دعا کروگے سب نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اپنی خواہش ذکر کی، اخیر میں حضرت نے فرمایا کہ میں تو نیک صحبت کی دعا کروں گا۔

اس کے بعد شیخ کی نگرانی میں تربیت اور کسی زندہ پیر سے تعلق جوڑنے کی اہمیت و افادیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔ "زندہ پیر کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے، کہ اس کے بغیر نمونہ سامنے نہیں ہوتا، اور افراط و تفریط و بے اعتدالی کا خطرہ رہتا ہے، جب کہ اعتدال ہی اصل واساس ہے، وکذلک جعلناکم امة وسطا۔ زندہ پیر اس راہ کی گھاٹیوں میں رہنمائی کرتا ہے، اور ایک منزل سے دوسری منزل، ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک لیجانے میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔"

سارے آداب و حدود کو باقی رکھنا اور غلو و غفلت دونوں سے بچ کر اعتدال کی صحیح میزان قائم کرنا ہی کمال ہے ؎

اب نہ افراط باقی نہ تفریط ہے
عشق کامل ہوا معتدل ہوگئے

فرمایا: "انسان رذائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، اگر رذائل نہ ہوتے تو ترقی نہ کرسکتا، کیونکہ ترقی کا تصور اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کی کوئی ضد بھی موجود ہو، تنزل کے مقابلہ میں ترقی ہوا کرتی ہے، جہاں تنزل کا سوال ہی نہ ہو وہاں ترقی کے پھر کیا معنی؟

فرمایا: ایک بزرگ کا قول ہے کہ جو طالب ہوا وہ واصل ہوا، طلب مقصود تک پہونچا دیتی ہے لیکن جب اس حقیقت کو دل میں بٹھا لیا جائے، لا مقصود الا اللہ، لا معبود الا اللہ۔

فرمایا: اللہ کی بندگی میں جو لطف و لذت ہے وہ کسی چیز میں نہیں ہے ؎

نیو دخرم بدو اللہ سو آزادیاں قرباں
کہاں یہ حظ نفسانی کہاں وہ لطف روحانی

فرمایا: عام حدود کی پابندی ضروری ہے، لیکن کچھ حدود لطیفہ بھی ہیں" ان کی پابندی بھی اس راہ میں کرائی جاتی ہے، اور یہ وہی حدود ہیں جیسے مشکوک و مشتبہ چیزوں کو بھی ہاتھ لگانے سے روکا جاتا ہے"

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مرکزِ علم و دانش
دار المصنفین

از:- حکیم سید سلطان احمد نیازی اکبر آبادی

حضرت علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں یادگاریں ندوہ اور دار المصنفین عالم اسلام کے لئے زیارت گاہ کا درجہ رکھتی ہیں، اگر دار العلوم کو دانش گاہ کہا جائے تو دار المصنفین کو دانش کدہ کہنا مناسب ہوگا کیونکہ یہاں بصیرت اور بصارت دونوں ملتی ہیں اور تشنگان علم و ادب سیراب ہوتے ہیں۔ اس مرکز علم و دانش، دار المصنفین کی زیارت کا اشتیاق ابتدا شعور سے تھا مگر آگرہ اور اعظم گڑھ میں سات سو کلو میٹر کا فاصلہ اس تمنا کے حصول میں حارج تھا اس کے علاوہ بھی راقم نہ تو عالم ہے اور نہ محقق۔ وہاں جانے کے لئے بھی کسی بہانے کی ضرورت تھی خدا کا شکر ہے کہ طبی کانفرنس کے وسیلہ سے گزشتہ دنوں یہ تیس سالہ تمنا بھی پوری ہوئی۔

موجودہ زمانہ میں اعظم گڑھ کا تر پردیش کا ایک پسماندہ اور دور افتادہ ضلع سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا ماضی بڑا شاندار، حال ترقی پذیر اور مستقبل تابناک ہے — اپنی پسماندگی کے باوجود یہ ضلع بڑا مردم خیز ہے یہاں بڑے بڑے نامور پیدا ہوئے ان میں سرفہرست اور گل سرسبد نام ہے ہندوستان کے غزالی حضرت مولانا علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ ان کے ہی نام نامی سے منسوب یہ دانشکدہ شبلی اکاڈمی اور دار المصنفین ہے۔ اعظم گڑھ کی بین الاقوامی شہرت اور عظمت بھی مولانا ہی کی وجہ سے ہے۔ اس ضلع کی کل آبادی تقریباً تیس لاکھ ہے مگر اس ضلع پر سیلاب کا بھیانک سایہ ہمیشہ پڑتا رہتا ہے اس سال کے سیلاب میں بھی تقریباً ۱۶ لاکھ ایکڑ رقبہ میں پھیلی ہوئی گیارہ کروڑ کی فصل تباہ ہوئی، پندرہ ہزار مکانات منہدم ہوئے اور تقریباً ۶۱ جانیں ضائع ہوئیں۔ اس سیلاب سے پانچ ہزار گاؤں میں بسنے والے چوبیس لاکھ افراد متاثر ہوئے تھے۔ سیلاب کا پانی دار المصنفین کے قریب شبلی کالج تک پہونچ گیا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ دار المصنفین محفوظ رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔ ادارہ کے بانی علامہ شبلیؒ سے ارادت اور اس کے روح رواں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے حسن عقیدت نے بالآخر مجھے کشاں کشاں دار المصنفین پہنچا دیا اور اس طرح یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی مگر نامکمل۔ اس دن شب برات کی وجہ سے چھٹی تھی اور ناظم دار المصنفین جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن پاکستان تشریف لے گئے تھے۔ دار المصنفین کو دیکھنے کا جتنا شوق تھا اتنا ہی ناظم صاحب سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ یہ سوچ کر کہ در و دیوار ہی دیکھ لیں گے اس لئے اعظم گڑھ پہونچکر واپس ہونا مناسب نہ معلوم ہوا۔ دروازہ میں قدم ہی رکھا تو مرکزی عمارت سامنے تھی۔ پرسکون ماحول زبان حال سے عظمت و رفعت کا اظہار کر رہا تھا — "فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے" کا منظر پیش نظر تھا۔

ہندستان میں جب کی فراغت تو لکھنے پڑھنے والوں کو بہت کم میسر آتی ہے مگر یکسوئی، لگن میں مگن ہونا، دلجمعی اور سکون خاطر بھی فراغت ہی ہے۔ وہاں پہنچنا بھی نا وقت ہوا تھا۔ ظہر کی نماز ہو چکی تھی پھر تعطیل بھی تھی البتہ معارف پریس کی مشین چلنے کی آواز برابر آرہی تھی شہروں میں تو ہر وقت ہنگامہ آرائی رہتی ہی ہے اور مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ عام طور پر ناگوار محسوس ہوتی ہے مگر وہ مشین کاروباری نہیں تھی بلکہ اہل علم کا پریس تھا اس کی مشین بھی شائستگی سے چل رہی تھی — سمع خراش نہ تھی بلکہ خوشگوار تھی۔

اکاڈمی میں سب سے پہلی ملاقات انچارج شعبہ کتابت سید اقبال احمد صاحب سے ہوئی۔ بڑے تپاک سے پیش آئے۔ عمر کے لحاظ سے بوڑھا کہہ لیجئے مگر جوانوں جیسی قوت عمل، شرافت، حسن سیرت و صورت کے مالک اور بڑے نستعلیق قسم کے انسان ہیں۔ رسمی تعارف کے بعد موصوف نے بتایا کہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو معارف روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ۱۵ اگست کی تعطیل ہونے کی وجہ سے ایک دن قبل روانہ کر دینا ضروری تھا اسی وجہ سے چھاپے خانے کے تمام کارکن اور کاتب بڑی خوشدلی سے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

معارف صرف مجلس دار المصنفین کا ماہوار ترجمان ہی نہیں بلکہ برصغیر ہند و پاک کا سب سے بڑا علمی اور موقر جریدہ ہے — اہل علم حضرات اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایشیا، یورپ، امریکہ اور دوسرے ممالک میں بھی معارف کی بڑی قدر و منزلت ہے مستشرقین اور ملحدین نے جب بھی اسلام پر اعتراضات کئے اس موقر جریدے کے صفحات پر ان کو مسکت جواب دیئے گئے۔ ... یہ مجلہ اپنی زندگی کے ۶۰ سال پورے کر چکا ہے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ۱۹۱۶ء سے آجتک اس کی ایک اشاعت بھی ناغہ نہیں ہوئی ہے۔

صدر دروازے سے ملا ہوا پوسٹ آفس ہے جو دار المصنفین کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہی قائم ہوا ہے ورنہ قرب و جوار میں اتنی آبادی نظر نہیں آئی۔ داہنی طرف مسلسل پانچ کروں کی قطار ہے۔ آگے برآمدہ ہے۔ وسط میں کھانے کا کمرہ ہے اس کے برابر کے کمروں میں رفقائے تحقیق کی اقامت گاہیں (ہوسٹل) ہیں ان کے سامنے بنگلہ نما عمارت میں دار المصنفین کا دفتر ہے دفتر کے وسطی ہال کو ایر کنڈیشنڈ کیا جارہا ہے۔ اسی ہال میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی نشستگاہ ہے جس کو تبرکاً جوں کا توں محفوظ رکھا گیا ہے۔ ہال کے دونوں جانب کمروں میں ناظم صاحب، نائب ناظم اور دیگر رفقاء کی نشستیں ہیں۔ مرکزی عمارت سے قدرے فاصلہ پر ناظم صاحب اور نائب ناظم صاحب کی رہائش گاہیں بالمقابل ہیں۔ دونوں رہائش گاہوں کے درمیان ایک سرے پر مہمان خانہ ہے۔ دفاتر ہوں کہ لائبریری، اقامت گاہیں ہوں کہ مہمان خانہ ہر جگہ سادگی اور پرکاری جلوہ گر نظر آئی۔ ذمہ داروں میں سب سے پہلے مولوی حافظ عمیر الصدیق صاحب ندوی سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ موصوف وہاں ریسرچ فیلو ہیں بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ ممدوح سے معلوم ہوا کہ قائم مقام ناظم جناب عبد السلام قدوائی ندوی سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ آں محترم دن میں قیلولہ اور آرام کے عادی نہیں ہیں پھر بھی بہ نظر احتیاط ۴ بجے سہ پہر کو تکلیف دی۔ اس درمیان کچھ وقت رفقائے تحقیق کے کمروں میں گزارا۔ دوسرے ریسرچ اسکالر نصر احمد صاحب پھلواری شریف سے آئے ہوئے ہیں۔ دونوں حضرات سے کچھ دیر تبادلہ خیالات ہونے کے بعد اندازہ ہو گیا تعطیل کی وجہ سے لائبریری نہیں دیکھی جاسکتی اور دار المصنفین کی سیر کی سعادت بھی مکمل طور پر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے اسلئے یہ طے کیا کہ سب سے پہلے اللہ کا گھر (مسجد دار المصنفین) دیکھ لیا جائے جس کے بارے میں صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی مرحوم نے لکھا ہے:-

> "جمعہ کے وقت مسجد دار المصنفین نو تعمیر (ممدوحہ نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب) کا افتتاح ہوا۔ میں نے نماز پڑھائی۔ آیۃ انما یعمر مساجد اللہ "الخ کا بعد نماز بیان کیا۔ اعظم گڑھ اسی لئے گیا تھا۔ دل میں خیال تھا کہ مقبولیت مسجد کا اشارہ پاتا۔" (ص ۷۰)

مسجد اچھی خاصی ہے (نہ بہت بڑی ہے اور نہ بہت مختصر) چھت والے حصہ پر چقیں پڑی ہوئی ہیں تاکہ پرندے فرش خراب نہ کریں۔ ویسے تو سارا ہی دار المصنفین لالہ زار اور گل گلزار ہے جس کی وجہ سے حضرت علامہ شبلیؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی باغ و بہار شخصیتوں کا انعکاس ہوتا ہے۔ مسجد میں بھی چھوٹا سا اور خوشنما باغیچہ ہے۔ مسجد کے تینوں جانب دروازے ہیں۔ شرقی بڑا دروازہ ہے جس سے ذرا فاصلہ پر حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے فرزند حامد نعمانی مرحوم کی ابدی آرام گاہیں ہیں۔ قصہ مختصر بہت بڑا باغ جو دار المصنفین کی تمام عمارتوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے "شبلی منزل" کہلاتا ہے۔

۴ بجے کے قریب قائم مقام ناظم جناب مولانا عبد السلام قدوائی ندوی سے نیاز حاصل ہوا، ایک سراپا خلق و مروت اور علم و حکم کی جامع شخصیت سامنے تھی۔ ممدوح موصوف بہت انکسار، رواداری اور تواضع سے پیش آئے۔ عذر و معذرت خواہی پر فرمایا کہ تمہارے

آنے کی اطلاع تو تھی پھر مولانا نے ازراہ عنایت جناب احتشام علی ندوی مہتمم دار المصنفین کو بلایا اور ہر دو حضرات اور جناب عمیر الصدیق صاحب نے اس نا اہل کو دار المصنفین کی سیر کرائی گو اس سے سیری نہ ہوئی کیونکہ تعطیل کی وجہ سے ذمہ دار حضرات رخصت پر تھے۔ ادھر مجھے خود بھی ندامت محسوس ہو رہی تھی کہ میری وجہ سے ان حضرات کا وقت خراب ہو رہا ہے۔ الحاصل رواداری میں دار المصنفین کو دیکھا۔ مولانا عبد السلام ندوی سے اثنائے گفتگو عرض کیا کہ ضلع اعظم گڑھ کی فلاح و بہبود کے لئے سعودی عرب سے جو خطیر رقم بطور عطیہ ملنے والی ہے اس سے دار المصنفین کو کیا فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ کسی خبر رساں ایجنسی کی یہ غیر معتبر اطلاع ہے ہم سب لوگ بے خبر ہیں۔ حکومت ہند لاعلم ہے اور سعودی عرب کا سفارت بھی اس معاملہ میں بے خبر ہے۔ ویسے بھی شروع دن سے آجتک دار المصنفین کے تمام سابق اور موجودہ ذمہ دار ایثار پیشگی اور خدمت علم و اسلام کا جذبہ رکھتے ہیں ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم وللجہال مال

"نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ کی راہ پر گامزن ہیں اور" جذبۂ بے اختیار دیکھا چاہیئے" پر عمل پیرا ہیں۔

یہ تمام حضرات بوریہ نشینی، گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی تمام تر خصوصیات کے حامل ہیں۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے حسن اخلاق تو کتابوں میں پڑھے ہیں— لیکن دار المصنفین میں آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کا اظہار بھی اس موقع پر بے جا نہ ہوگا کہ دار المصنفین کی مطبوعات کو غیر قانونی طور پر بلا اجازت شائع کرکے پاکستان کے چند غیر ذمہ دار ناشرین نے اس ادارے کو شدید مالی نقصان پہنچایا ہے۔ پاکستان کے ارباب اقتدار نے بڑی جد و جہد اور احتجاج کے بعد بطور اشک شوئی دار المصنفین کا معاملہ اور قضیہ تا مرضیہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے سپرد کر دیا ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ فاؤنڈیشن نے دار المصنفین کی صرف اکیسو پندرہ کتابوں کا حق اشاعت حاصل کرکے پندرہ لاکھ پاکستانی روپے بطور رائلٹی دینا منظور کر لیا ہے۔

دار المصنفین کو اس سلسلہ میں جو غیر معمولی نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی بھارت کے مسلمان اس طرح کر سکتے ہیں کہ ہر کھاتے پیتے گھرانے میں "سیرۃ النبی" مکمل موجود ہو۔ جن لوگوں کو مطالعہ کا شوق ہے وہ "معارف" کے خریدار بنیں۔ ہر مسلمان طالب علم اور کم پڑھے مسلمان کو "رحمت عالم" کی ایک ایک جلد خرید کر پڑھنا چاہیئے مانگ کر ان کتابوں کو نہ پڑھیں۔ اس طرح ہم کروڑوں بھارتی مسلمان دار المصنفین کے نقصان کی ایک حد تک تلافی کر سکتے ہیں ؎

دنیا میں ترقی کے ہیں کچھ اور ہی اسباب
جو ڈاک پہ موقوف نہیں تار پہ موقوف
قوت کی جو پوچھو تو یہ ہوتی ہے ہمیشہ
اقوام میں افراد کے ایثار پہ موقوف

ایک بار پھر سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب نیز ان کے علمی گلکدہ اور روح کے عشرت کدہ کو دیکھنے کی آرزو ہے۔

میں نے آپ کا بہت وقت لیا لیکن مجھے اس تڑپ نے اس پر مجبور کیا کہ آج ہندوستان میں ایک واحد قیادت وجود میں آئی ہے اور قدرت نے آپ کو ملک کی ترقی و تعمیر اور اس کو عزت و استحکام دینے کا ایک ایسا نادر موقع مہیا کیا ہے جو شاذ و نادر ہی کسی کو ملتا ہے، اگر یہ موقع کسی طرح ضائع ہو گیا اور اعتماد و نیک نامی، خوش آئند توقعات کے اس قیمتی ذخیرہ میں نادان دوستوں کی دوستی سے کچھ کمی واقع ہو گئی جو تقریباً ایک صدی کے جد و جہد نے آپ کو عطا کیا ہے، اور جس سے آپ کو بہت کام لینا ہے، تو یہ ملک کی سب سے بڑی بد قسمتی ہوگی، اس ذخیرہ کو آپ کو بڑی احتیاط سے خرچ کرنا چاہیئے کہ یہ تین پشتوں کا جمع کیا ہوا ہے اور یہ روز روز جمع نہیں ہوتا، اس موقع پر آپ ہی کی قوت فیصلہ، بروقت قیادت، سچی حب الوطنی اور حالات کا صحیح و بے لاگ جائزہ ملک کو بچا سکتا ہے اور اس کو مایوسی، شکستہ دلی اور خوف و ہراس کے اس دلدل سے نکال سکتا ہے جس میں وہ اس وقت دھنستا چلا جارہا ہے۔

میں ایک بار پھر اس درازنفسی کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص
ابو الحسن علی
دائرہ شاہ علم اللہؒ تکیہ کلاں رائے بریلی

۱۲ اگست ۱۹۷۵ء

بقیہ صفحہ ۹

ان باریک اور لطیف حدود کی بھی پابندی کرنے والوں کے بارے میں ہی فرمایا گیا ہے "التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ"

ان باریک اور لطیف حدود کو ہر کس و ناکس نہیں جان سکتا، اور پھر ان کا تعلق محض خواندن و نوشتن سے بھی نہیں بلکہ چشیدن سے ہے، فرمایا، "ہم حلوا کھاتے ہیں۔ اب ہم اگر اس کی شیرینی اور خیرینی کی تعریف پر دلائل پیش کریں۔ تو سامع اس کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکے گا، ہاں چکھا دیا جائے تو حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، پھر کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے گی"

دعا کی بھی حقیقت اہل اللہ اور عارف باللہ ہی جانتے ہیں، دعا سے کیا کیا ملتا ہے اور دعا کا کیا مقام ہے اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: جتنا تعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ بڑھتا ہے، اتنا کسی چیز سے نہیں بڑھتا، دعا بہت تاثیر رکھتی ہے۔

فرمایا: عبدہ و رسولہ، میں تعلق دو نوعیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تعلق عبدیت کا ہے یہ دعا سے پیدا ہوتا ہے، اور ایک تعلق رسالت کا ہے۔ یہ دعوت کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو منصب جو عبدہ و رسولہ میں ذکر کئے گئے ہیں انہیں دونوں منصبوں کی نوعیتوں کے اعتبار سے امت کا ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا ہے۔

موتوا قبل أن تموتوا جو صوفیاء کے ہاں کا مقولہ ہے، اور سلوک کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزلوں کی دعوت دیتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مردہ کی تعریف کرو یا برائی کرو اس پر اس کا کیا اثر، یعنی اپنے جذبات و احساسات کو مرضی خداوندی پر چلانے کے لئے مرضی خداوندی کے سامنے اور جو مرشد مرضی خداوندی پر چلانے کا فریضہ ادا کر رہا ہے، اس کے سامنے مردہ و بے جان چھوڑ دو، اتباع کا کمال یہ ہے کہ حکم کے ہوتے ہوئے تمہاری رائے نہ ہو اور تم اس کی علت و سبب میں نہ پڑو، اور اس سے بھی آگے کی منزل یہ ہے، کہ تم اپنی تعریف پر فخر نہ محسوس کرو، برائی پر غصہ نہ ہو، اس طرح انگیز کر جاؤ جیسے تم پتھر ہو یا نرا مردہ۔

پھر فرمایا: استحضار ضروری شئی ہے، استحضار سے ہی تعلق و محبت پیدا ہوتی ہے ؎

اس کے آنے کا بندھا رہتا ہے دھیان
بیٹھے بیٹھے، اٹھا کرتے ہیں ہم

فرمایا: حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں ایک آدمی آئے اور کہا میں بیمار ہوں، حرم شریف کی نماز نصیب نہیں ہوتی، آپ نے ان کے جانے کے بعد فرمایا، یہ عارف نہیں "(کیونکہ خدا کے فیصلہ پر قانع نہیں اور ہجر کی لذت سے لطف اندوز نہیں)

فرمایا: انسان اپنی مرضیات حاصل ہونے کی حالت کو کیف کی حالت کہتا ہے، اور اس کے خلاف حالت کو بے کیفی کی حالت کہتا ہے، حالانکہ بہر حال جو ان کی طرف سے آتا ہے مبنی بر حکمت و مصلحت ہونے کے ساتھ ساتھ محبوب بھی ہوتا ہے، اور وہ جو بھی فیصلہ ہمارے لئے فرما دیں وہی کریانہ در حیات فیصلہ ہے ؎

بے کیفی میں بھی میں نے تو اک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو افضل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لیجاتے ہیں اس راہ کو اجمل دیکھا ہے

تعمیر حیات — ملکیت کے بارے میں

اخبار کے رجسٹریشن (مرکزی) قواعد ۱۹۵۶ء کے قاعدہ نمبر ۸ کے تحت حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ بیان متعلق ملکیت و دیگر تفصیلات:-

مقام اشاعت: لکھنؤ — وقفہ اشاعت: پندرہ روزہ — پرنٹر پبلشر: محمد الحسنی

ایڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی — قومیت ہندوستانی — پتہ: پوسٹ بکس نمبر ۹۳ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مالک: شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں (محمد الحسنی) اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے صحیح ہیں۔